پروفیسر عبدالحفیظ چوہدری

اسلامی حدود و تعزیرات کا مسئلہ

فرد اور معاشرے کی اصلاح پر اسلام نے بے حد زور دیا ہے اور اس کے لیے مختلف مواقع پر حالات و مقامات کی روشنی میں مختلف طریقے اختیار کیے ہیں۔ کہیں سختی سے کام لیا ہے۔ کہیں نرم رویہ اختیار کیا ہے اور کہیں زجر و توبیخ اور تنبیہ کو ضروری ٹھہرایا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب تک معاشرے کی اصلاح نہیں کی جاتی اور فرد کو اس کی اخلاقی ذمہ داریوں کا احساس نہیں دلایا جاتا اس وقت تک گرد و پیش میں پھیلی ہوئی برائیوں کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ یہ اصلاح سختی سے کی جائے یا کسی اور طریقے سے کی جائے، بہر حال یہ وقت کا بنیادی مسئلہ ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے اس طرف عنانِ توجہ مبذول کرنا انتہائی ضروری ہے۔

اس ضمن میں اسلامی حدود و تعزیرات کا نفاذ بھی وقت کا بنیادی تقاضا ہے۔ چوری یا ڈکیتی اور دیگر مفاسد کو دور کرنے کے لیے اگر یہ تجربہ کیا جائے تو اس کے خاطر خواہ نتائج نکل سکتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ بلکہ ہر چوری کے معاملے کی پوری تفتیش ہو، جہاں ایسا ثبوت مل جائے کہ کسی شخص نے فاقہ کشی سے مجبور ہو کر کوئی کھانے پینے کا سامان چرا لیا ہے، واقعی اس کے بچے بھوک سے بلک رہے تھے یا اس کے اہل و عیال فاقہ کشی کر رہے ہیں اور وہ چوری کے علاوہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ تو کوئی کہتا ہے کہ اس آدمی کے ہاتھ کاٹ دو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال تاریخ میں موجود ہے کہ ایسے ہی ایک موقع پر آپ نے چوری کے جرم میں ہاتھ نہیں کاٹا تھا بلکہ اس چور کے پڑوسی کی مذمت کی کہ اس نے حق ہمسائیگی ادا نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر عمل نہیں کیا:

لیس المؤمن الذی یشبع وجارہ الی جنبہ جائع۔

وہ ہرگز مومن نہیں ہے۔ جو خود پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا سو جاتا ہے۔

فاقہ کش یا غریب اور مفلس عوام بنکوں کو کبھی نہیں لُوٹتے۔ یہاں دن دہاڑے بنک لُوٹ لیے
جاتے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں روپے کی دوکانوں کے تالے رات کو صرف قلاش اور فاقہ کش ہی
تو نہیں توڑتے۔ بلکہ ایک خاص گروہ سے تعلق رکھنے والے پیشہ ور چور یہ حرکت کرتے ہیں۔
بعض دیہات میں یہ ہوتا ہے کہ وہاں وڈیروں اور جاگیرداروں کی آپس میں چپقلش رہتی ہے
وہ لوگ اپنی چودھراہٹ قائم رکھنے کے لیے اپنے مزارعین اور نوکروں وغیرہ کو چوری کی ترغیب
دیتے ہیں اور خود رسہ گیروں کا کردار ادا کرتے ہیں۔ منشا صرف یہ ہوتا ہے کہ آس پاس کے
دیہات کے لوگ ان کے دستِ نگر رہیں۔ اگر کبھی کسی غریب آدمی کو جائز شکایت بھی ہو تو
وہ پولیس میں اس زمیندار یا وڈیرے کی وساطت کے بغیر جاتے ہوئے بھی خوف کھاتا ہے
رپٹ درج کرانی مقصود ہو یا پرچہ درج کرنا ہو، جب تک علاقے کا چودھری اس کی سفارش
نہیں کرتا اس کی کامیابی مشکل ہوتی ہے۔ بعض علاقوں میں ابھی تک چوری کو بہادری کا
نشان سمجھا جاتا ہے۔ جب تک خاندان کا نوجوان چوری کے ذریعے کسی کی گائے، بیل یا گھوڑا
نہیں کھول لیتا وہ جوان تصور نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح لڑکیوں کے اغوا میں بھی بعض اوقات کوئی بڑا ہاتھ
کارفرما ہوتا ہے۔

ان حالات میں بتائیے، کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں غربت کی بنا پر چوریاں
ہوتی ہیں؟ لہٰذا یہاں ہاتھ کاٹنے کی سزا نافذ نہیں ہونی چاہیے۔ اگر معاشرے کو سنوارنے کی
شرط پر حدود و تعزیرات کے نفاذ کو ہم ملتوی کرتے رہے تو بظاہر ایک ہزار سال میں
بھی معاشرہ درست نہ ہو سکے گا۔ کیا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معاشرے میں حدود و
تعزیرات کو نافذ نہ کیا تھا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے حالات کا تقاضا یہ ہو سکتا تھا کہ ابھی معاشرہ
پوری طرح تیار نہیں، غربت و افلاس کا خاتمہ پوری طرح نہیں ہو پایا، لوگوں کے دلوں میں
زمانۂ جاہلیت کے جرائم اس قدر پختہ ہیں کہ ابھی ان کے لیے یہ سزائیں نافذ کرنا قبل از وقت ہے
مگر ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو صرف معاشرے کی اصلاح کے
آیا ہوں۔ میرے بعد جب معاشرے کے حالات صحیح معنوں میں سازگار ہو جائیں گے تو ان سزاؤں

نافذ کر دیا جاتے۔ لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض تیئیس ۲۳ سالوں میں دین کو عملی جامہ پہنا دیا، اور اس انداز میں معاشرے کی اصلاح کی کہ دنیا کے کسی خطے میں بھی اس کی نظیر نہیں ملتی ——۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ جب بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی، اور ثبوت فراہم ہوگیا۔ عورت نے اقرارِ جرم کر لیا تو رسول اکرم نے قرآن مجید کی سزا نافذ کرتے ہوئے اس عورت کا بایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔

بعض صحابہ کرام اس سزا کے نافذ ہونے پر متحیر تھے۔ آپس میں یہ بھی مشورے ہوئے کہ رسول اکرم سے درخواست کی جائے کہ عورت کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو جو آنحضرت کی خدمت میں رہتے تھے اس کام پر مامور کیا گیا۔ حضرت اسامہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے بعض صحابہ کی آرزو پیش کی۔ رسولِ اکرم نے جونہی حضرت اسامہ کی زبان سے قرآن مجید کی حد کو بدلنے کی بات سنی، چہرۂ انور متغیر ہو گیا۔ غصے کے عالم میں فرمایا:

اے اسامہ! اَتشفع فی حد من حدود اللہ۔

ام اللہ کی مقرر کردہ حدود اس سفارش لے کر آئے ہو۔

ام اللہ لو کانت فاطمۃ بنت محمدٍ سرقت لقطعتُ یَدَھا۔

خدا کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

عجیب بات ہے کہ ہم ایسی مثالیں سامنے رکھتے ہوئے بھی معاشرے میں حالات کی ناخوشگواری کا بہانہ بناتے ہیں۔ اگر حالات کی بات ہی ہوتی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس صنفِ نازک پر ضرور رحم فرماتے یا قرآن میں چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا کے نازل ہونے کے بعد یہ پہلا واقعہ سمجھ کر معاف کر دیتے۔ لیکن صحیح اسلامی رخ یہی ہے کہ جب جرم ثابت ہو جائے، عدالت کے دروازے کھٹکھٹا دیتے جائیں، مجرم اعترافِ جرم کر لے تو اس وقت کسی شخص کو بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود میں کوئی ترمیم کر سکے یا اس میں اپنی رائے سے کمی بیشی کر لے۔ قرآن واشگاف الفاظ میں کہتا ہے:

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا جَزَاءً بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ (المائدہ)

چور مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس جرم کی سزا ہے جو اس سے سرزد ہوا۔

ہاں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر کوئی انسان حالات سے مجبور ہو کر غربت و افلاس کے ہاتھوں یا فاقہ کشی سے تنگ آ کر کسی ایسی چھوٹی موٹی چوری کا مرتکب ہو جائے جس سے اس کا منشا صرف پیٹ بھرنا ہو تو اسے ہرگز ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی۔ قاضی خود چوری کے پس منظر اور پیش منظر سے واقف ہونے کے بعد ایسے آدمی کی سزا معاف کر سکتا ہے۔ لیکن جہاں عادی مجرموں، پیشہ ور چوروں، جیب کتروں اور رسہ گیروں کا ثبوت فراہم ہو جائے تو ان کے ہاتھ کاٹنے میں ذرہ بھر دیر معاشرے میں جرائم کی رفتار کو مزید تیز کرنے کی طرف ایک قدم ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو اعرابی آنحضرت صلی اللہ کے پاس آئے۔ ایک نے کہا میرا بیٹا اس آدمی کی بیوی سے زنا میں ملوث ہو گیا ہے، میں نے اس کو سو بکریاں اور ایک لونڈی دے کر راضی کر لیا ہے۔ آپؐ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ بکریوں اور لونڈی کا مالک تو تو ہی ہے۔ تیرے بیٹے کے لیے سو کوڑے اور ایک سال جلا وطنی ہے۔ پھر آپؐ نے قبیلہ اسلم کے ایک شخص کو فرمایا۔ اے انیس تو جا کر اس کی بیوی سے پوچھ۔ اگر وہ جرم کا اعتراف کرے تو اسے رجم کر دے۔ اس عورت نے اعتراف کیا اور رجم کر دی گئی۔
(بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی)

جو لوگ معاشرے کی اصلاح کا بہانہ بنا کر اسلامی حدود اور تعزیرات کے نفاذ کو ملتوی رکھنا چاہتے ہیں ان کے دل اسلام کی حقانیت سے خالی ہیں۔ اسلام پورے کا پورا ہی نافذ ہو سکتا ہے اگر آدھا آج نافذ کیا جائے تو آدھا آنے والے کل پر چھوڑ دیا جائے تو اسلام کبھی اپنی اصلی اور حقیقی شکل میں نافذ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ۔

اے ایمان والو! دین اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔

اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اسلام کو بطور مکمل نظامِ حیات کے نافذ کرو — ایسا نہ ہو کہ یہود و نصاریٰ کی طرح ہمیں یہ وارننگ دی جائے:

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ۔

کیا پس تم کتاب کے بعض حصّوں کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔ پس ایسے منافقوں کو سوائے اس کے اور کیا سزا ہو سکتی ہے کہ انھیں اس دنیا کی زندگی میں ذلیل اور رسوا کیا جائے۔ اور آخرت میں تو ان کے لیے اس سے بھی سخت ترین عذاب ہے۔

اسلامی سزاؤں کے بارے میں ایک عام تاثر یہ دیا جاتا ہے کہ یہ سزائیں وحشت ناک ہیں۔ ہم اس مہذب دنیا کے دور میں کیسے ان پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ مہذب دنیا میں رہنے والے آج خود اس مصیبت میں گرفتار ہیں کہ جرائم کا قلع قمع کیسے ہو؟ اگر یورپ کی روشن خیالی، تعلیم اور تہذیب و شائستگی یا مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی بجائے ان سے پیار و محبت سے جرائم ختم ہو سکتے، تو یورپ کے سارے ممالک میں کوئی مجرم نظر نہ آتا اور کوئی جرم ان ممالک میں دیکھنے کو نہ ملتا۔ مگر یورپ میں جرائم کی بڑھتی ہوئی تعداد سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صرف تہذیب و شائستگی کا دامن تھام لینے سے کبھی جرائم کا قلع قمع نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ سخت تعزیرات سے ہی معاشرے کی اصلاح ہو سکتی ہے اور ہوئی ہے۔

رسولِ اکرم کے زمانے میں بے حیائی کے جو واقعات رونما ہوئے۔ جرم ثابت ہونے پر آنحضرت نے قرآن کے فرمان کے مطابق حد جاری کی قبیلۂ غامدیہ (بنو جہنیہ کی شاخ) کی ایک عورت نے جب چار مرتبہ جرم کا اعتراف رسول اکرم کے سامنے کیا تو آپ نے بچے کی پیدائش تک اس عورت کو انتظار کرنے کا حکم دیا — بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ ندامت کی ماری پھر آنحضرتؐ کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کی کہ مجھ پر حد جاری کی جائے۔ رسول اکرم نے فرمایا جاؤ بچے کو دودھ پلاؤ۔ دودھ چھڑانے کے بعد آنا۔ وہ بچے کو دودھ چھڑانے کے

پھر حاضر ہوئی اور کہا مجھے پاک کر دیا جائے۔ آپؐ نے بچے کو پرورش کے لیے ایک شخص کے حوالے کر دیا اور عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ رجم سے وہ عورت فوت ہو گئی، تو رسول اکرمؐ نے خود اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس عورت کا ذکر ایسے انداز میں کیا جو آنحضرتؐ کو ناگوار گزرا۔ آپ نے فرمایا:

مَهْلاً یا خالد فوالذی نفسی بیدہ لقد تابت توبۃً لو تابھا صاحب مکس لغفرلہ۔ (صحیح مسلم)

"خالد! صبر کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ظالمانہ محصول وصول کرنے والا بھی وہ توبہ کرتا تو بخش دیا جاتا۔"

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت رسول اکرمؐ نے اس عورت کا جنازہ پڑھنے کی تیاری کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ زانیہ کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا:

لقد تابت توبۃ لو قسمت بین اھل المدینۃ لو سعتھم۔ (صحیح مسلم)

اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر یہی مدینہ پر تقسیم کر دی جائے تو سب کے لیے کافی ہے۔

دوسرا مشہور واقعہ ماعز بن مالک اسلمی کا ہے۔ ماعز قبیلہ اسلم کا ایک یتیم لڑکا تھا۔ جس نے حضرت ہزال بن نعیم کے ہاں پرورش پائی تھی۔ یہاں وہ ایک آزاد کردہ لونڈی سے ارتکابِ معصیت کر بیٹھا۔ حضرت ہزال نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گناہ کی خبر دے۔ شاید آپؐ تیرے لیے دعائے مغفرت فرمائیں۔ اس نے جا کر مسجد نبوی میں اقرار گناہ کیا اور کہا مجھے پاک کر دیجیے۔ آپ نے منہ ایک طرف کر لیا اور فرمایا:

ویحك ارجع فاستغفر اللہ وتُب الیہ۔

جا اور جا کر اللہ سے توبہ و استغفار کر۔

ماعز نے پھر دوسری دفعہ سامنے ہو کر اعترافِ جرم کیا۔ آپؐ نے پھر منہ پھیر لیا۔ اس نے تیسری بار اقرار کیا۔ آپؐ نے پھر منہ پھیر لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے متنبہ کیا۔ اگر چوتھی بار تو نے اقرار کیا تو رسول اکرمؐ حد جاری فرما دیں گے۔ ماعز نے پھ

اعتراف کرلیا۔ اب رسول اکرم نے مختلف سوالات کے ذریعے سے یہ جانچا کہ کہیں یہ پاگل تو نہیں جب ثابت ہوگیا کہ وہ پاگل نہیں تو آپ نے اسے رجم کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ آنحضرتؐ نے ماعز کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت بُریدہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا:

استغفروا لماعز بن مالک لقد تاب توبۃً لو قسمت بین اُمّۃٍ لوسعتهم۔

ماعز بن مالک کے حق میں دعائے مغفرت کرو، اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر پوری امت پر تقسیم کر دی جائے تو سب کے لیے کافی ہو۔

ان دو واقعات سے ثابت ہے کہ رسول اکرم نے اعتراف جرم پر جو چار شہادتوں کا درجہ رکھتا ہے اس پر شریعت کی سزا نافذ کی۔ اس میں کسی قسم کی نرمی اختیار نہ کی گئی۔ یہی قرآن کا منشا ہے۔ سورۂ النور میں ارشاد باری ہے:

الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحدٍ منهما مائۃ جلدۃ ولا تاخذکم بهما رافۃ فی دین اللّٰہ ان کنتم تؤمنون باللّٰہ والیوم الاخر ولیشهد عذابهما طائفۃ من المؤمنین ۞

زانی مرد اور زانیہ عورت (غیر شادی شدہ) میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور اللہ کے دین میں ان کے ساتھ کسی قسم کی نرمی نہ کرو۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کے عذاب کو مومنین کی ایک جماعت بچشم خود مشاہدہ کرے۔

ان واقعات سے تین احکامات صاف اور واضح ہو کر سامنے آتے ہیں۔

آیت میں فوجداری قانون کے لیے بھی "دین اللہ" کے الفاظ استعمال کیے۔ معلوم ہوا کہ صرف نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ ہی "دین" نہیں ہیں۔ مملکت کا قانون بھی دین ہے دین کو قائم کرنے کا مطلب صرف نماز ہی قائم کرنا نہیں ہے بلکہ اللہ کا قانون اور نظام شریعت قائم کرنا بھی ہے۔ جہاں یہ چیز قائم نہ ہو، وہاں نماز اگر قائم ہو بھی تو گویا ادھورا دین قائم ہوا۔ جہاں اس کو رد کرکے دوسرا کوئی قانون اختیار کیا جائے وہاں کچھ اور نہیں، خود دین اللہ کو رد کر دیا گیا۔

وہ لوگ جو اسلامی تعزیرات کے نفاذ سے الرجک ہیں۔ سود، شراب، جوا، زنا اور دوسری لعنتوں کو معاشرے سے ختم نہیں کرنا چاہتے، عوام کو صرف نماز، روزے کی ترغیب دے کر

نظامِ اسلامی کے نافذ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ اللہ، قرآن اور رسولِ اکرم سے مخلص نہیں ہیں، مریض ذہن کے مالک ہیں۔ بقولِ قرآن:

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا۔

ان کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے اور اللہ ان کی بیماری کے بڑھنے کے اسباب انہیں مہیا کرتا ہے۔

بہرحال کتاب وسنت نے حدود وتعزیرات کے نفاذ کو ضروری قرار دیا ہے۔ معاشرے کی اصلاح کا یہ ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ معاشرے میں جو مفاسد پھیل رہے ہیں، وہ اسی سے دُور ہو سکتے ہیں۔

آیت سے دوسری بات یہ ابھر کر سامنے آتی ہے کہ اللہ کی مقرر کردہ حدود میں یا اس کی متعین کی ہوئی سزاؤں میں کسی قسم کی نرمی یا مجرم کے لیے رحم اور شفقت کا کوئی جذبہ سزا نافذ کرنے میں مزاحم نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ نے جو سزا مقرر فرمائی ہے اور جس قدر مقرر فرمائی ہے، اسے کسی اور سزا سے بدلنا نہیں چاہیے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے۔ آپؐ نے بڑی وضاحت سے فرمایا:

یؤتی بوالٍ نقص من الحد سوطًا فیقال لہٗ لم فعلت ذالک؟ فیقول رحمۃ لعبادک فیقال لہٗ انت ارحم منی؟ فیؤمر بہٖ الی النار ویؤتی بمن زاد سوطًا فیقال لہ لما فعلت ذالک؟ فیقول لینتھوا عن معاصیک فیقول انت احکم بھم منی، فیؤمر بہٖ الی النار۔ (تفسیر کبیر)

قیامت کے دن ایک حاکم لایا جائے گا، جس نے اللہ کی مقرر کردہ (سزا) حد میں سے ایک کوڑا کم کر دیا تھا۔ پوچھا جائے گا یہ حرکت تو نے کیوں کی تھی؟ وہ کہے گا تیرے بندوں پر رحم کرتے ہوئے۔ ارشاد ہوگا۔ اچھا تو مجھ سے زیادہ ان پر مہربان تھا۔ پھر حکم ہوگا۔ اس کو دوزخ میں ڈال دو۔ ایک دوسرا حاکم لایا جائے گا جس نے مقررہ حد پہ ایک کوڑے کا اضافہ کیا ہوگا۔ پوچھا جائے گا۔ یہ حرکت کیوں کی؟ کہے گا۔ اس لیے کہ لوگ آپ کی نافرمانیوں سے باز رہیں۔ ارشاد ہوگا۔ اچھا تو ان کے معاملے میں مجھ سے زیادہ حکیم تھا حکم ہوگا۔ اسے لے جا کر دوزخ میں ڈال دو۔

آیت سے تیسری بات یہ واضح ہوئی کہ شریعت کی سزا علی الاعلان چوراہے یا میدان میں دینی چاہیے تاکہ مجرم ذلیل و خوار ہو۔ اور عوام الناس کو اس سے عبرت حاصل ہو۔

چور کے ہاتھ کاٹنے پر بھی فرمایا:

جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ

ان کے کیے کا بدلہ اور اللہ کی طرف سے جرم کو روکنے والی سزا۔

اسلامی قانون میں سزا کے چار مقصد ہیں۔ اول یہ کہ مجرم سے اس زیادتی کا بدلہ لیا جائے اور اس کو اس برائی کا مزا چکھایا جائے جو اس نے کسی دوسرے شخص یا معاشرے کے ساتھ کی تھی۔ دوم یہ کہ اسے اعادۂ جرم سے باز رکھا جائے۔ سوم یہ کہ اس سزا کو ایک عبرت بنایا جائے تاکہ معاشرے میں جو دوسرے لوگ غلط رجحانات رکھنے والے ہوں ان کے دماغ کا اپریشن ہو جائے اور وہ اس طرح کے کسی جرم کی جرأت نہ کر سکیں۔ چہارم یہ کہ اس دنیا میں شرعی سزا کے نفاذ سے آخرت میں اس گناہ کے بارے میں کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ آخرت میں وہ اس سزا سے بری الذمہ قرار دے دیا جائے گا۔

اسلامی سزاؤں کے نفاذ سے گریز کرنے والوں سے سوال ہے کہ کیا تعزیرات کے یہ احکام صرف رسول اکرم اور صحابہ کرام کے معاشرے کے لیے نافذ ہوئے تھے؟ کوڑوں اور ہاتھ کاٹنے کی سزائیں صرف صحابہ کرام اور صحابیات کے لیے مخصوص تھیں اور ہم صحابہ کرام کی نسبت اس قدر زیادہ مہذب اور شائستہ، نیک اور قابلِ عزت ٹھہرے کہ ہمیں یہ سزائیں وحشت و بربریت نظر آئیں۔ عہدِ نبوی میں بنو مخزوم کی عورت کا ہاتھ کٹ سکتا ہے بنو جہینہ کی عورت کو رجم اور ماعز بن مالک کو سنگسار کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر کے بیٹے کی پشت پر کوڑے برس سکتے ہیں۔ تو اس دور میں کون ایسا صاحبِ عز و جاہ ہے جو ان سے مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسلام کے قانون شہادت پر بڑے اعتراضات کیے جاتے ہیں اور اسے ناممکن العمل گردانا جاتا ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ چونکہ ہمارے معاشرے میں جھوٹ، دروغ گوئی اور رشوت کے ذریعے جھوٹی شہادت دینے کا رواج بہت زیادہ ہے۔ لہٰذا ہم اسلام کے

معیارِ انصاف پر پورے نہیں اتر سکیں گے۔ یہ خدشات محض مفروضوں پر مبنی ہیں۔ یہ تسلیم کہ کچھ لوگ جھوٹی شہادتوں کا کاروبار کرتے ہیں، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیں اسلامی عدل و انصاف کا آغاز ہی نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ہم اسلام کی تعزیرات نافذ کر دیں تو یقین سے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ سلسلہ بھی بند ہو جائے گا۔ اس لیے کہ جھوٹی گواہی ثابت ہو جانے پر جھوٹے گواہ کو بھی اسّی کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ اس قسم کے اگر ایک دو واقعات میں جھوٹے گواہ کو (حد قذف) کوڑوں کی سزا دے دی گئی تو آئندہ معاشرہ ایسے لوگوں سے پاک ہو جائے گا۔

سورہ نور میں ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

جو لوگ عفت مآب عورتوں کو تہمتِ زنا لگاتے ہیں۔ پھر چار گواہ پیش کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ پس انھیں اسّی اسّی کوڑے لگاؤ اور کبھی ان کی آئندہ شہادت قبول نہ کرو (جب تک توبہ نہیں کر لیتے) یہی لوگ حقیقت میں فاسق ہیں۔

مآثر لاہور

سید ہاشمی فرید آبادی

سید ہاشمی فرید آبادی بحیثیت ایک مورّخ کے محتاجِ تعارف نہیں۔ ان کی یہ کتاب غزنوی دور تک کے لاہور کی تاریخ ہے۔ لاہور پاکستان کا مشہور ثقافتی و علمی مرکز ہے اور ہمیشہ سے علم و سیاست کا گہوارہ رہا ہے۔ اس سرزمین سے بلند پایہ شاعر، ادیب، اصحابِ علم اور اربابِ سیف پیدا ہوتے رہے ہیں۔ کتاب کے پہلے حصے میں اربابِ سیف و سیاست اور قدیم لاہور کے والیوں کا تذکرہ ہے اور دوسرا حصہ صاحبانِ علم و قلم لاہور کے مشائخ و علما اور مصنفین و شعرا سے متعلق ہے۔

صفحات: ۲۰۸+۲۰۷ قیمت: — ۱۶ روپے

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور